ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.2 (2026)
(April to June)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی قطعہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

A Critical and Analytical Study of Dr. Irshad Shakir Awan's Art of Qiṭ'a Writing

عائشہ

پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اُردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی، پشاور

ڈاکٹر زینت بی بی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، شہید بینظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی، پشاور

Ayesha
Ph.D Scholar, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar
Dr. Zeenat Bibi
Assistant Professor, Department of Urdu, Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar

Article Details
Received:
May 30, 2026
Accepted:
June 8, 2026
Online Published:
June 30, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Dr. Irshad Shakir Awan's poetry is an exemplary illustration of giving a new intellectual and meaningful dimension to the tradition of *qit'ah* (epigrammatic) poetry in Urdu literature. Although his *qit'ahs* are brief, they constitute complete intellectual units, encapsulating life, ethics, religious consciousness, social issues, and existential experiences within just a few lines. His work is not merely an expression of emotion but represents a serious and dignified intellectual endeavor. The religious elements in his *qit'ahs*, such as *hamd*, *na'at*, and *manqabat*, are not mere formal expressions of devotion but carry a thoughtful and ethical perspective, closely linked to moral character development, inner purification, and social responsibility. Similarly, themes like grief, deprivation, migration, and internal conflict serve as a medium to explore human consciousness and moral awareness. Social consciousness is also prominent in his poetry; he presents societal injustices, ethical decline, and human weaknesses with seriousness and balance.

Key words: meaningful dimension, intellectual units, intellectual endeavor, inner purification, Similarly, themes like grief, deprivation, migration

قطعہ نگاری کی روایت بنیادی طور پر فارسی شعری روایت سے وابستہ ہے اور اسی ادبی پس منظر میں اس صنف نے ارتقائی مراحل طے کیے۔ فارسی ادب کی قدیم شعری روایت میں نظم و شاعری کی متعدد صورتیں رائج تھیں جن میں قطعہ بھی ایک نمایاں صنف کے طور پر سامنے آیا۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں تیسری صدی عیسوی کے قریب منظوم تحریروں کے آثار دریافت ہوئے جو اس خطے میں شعری اظہار کی قدامت کو ظاہر کرتے ہیں۔ فارسی شعرا میں حنظلہ بادغیسی کو ابتدائی قطعہ نگاروں

میں شمار کیا جاتا ہے، جن کے بعد رودکی، مرادی، شیخ سعدی اور امیر خسرو جیسے ممتاز شعرا نے اس صنف کو فکری وسعت اور فنی استحکام بخشا۔

> "چوتھی اور پانچویں صدی میں فارسی شاعری نے بہت ترقی کی ہے اور رودکی، وقیقی، فردوسی، عنصری، فرخی وغیرہ نے اپنے شاعرانہ کمالات سے فارسی ادب کے سرمائے ہیں قابل فخر اضافے کئے۔ انہوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی جن میں مثنوی قصیدہ غزل مسمط، ترجیع بند، رباعی، قطعہ وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے قطعات میں نئے نئے موضوعات داخل کئے اور ان کی معنوی حدود کو وسیع کیا حسین مناظر، مارح، آداب، محفل عشق و عاشقی، جنگ و جدل، اعتدال، فخر و غیرہ کے مضامین سے صنعت قطعہ کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔"(۱)

یہی روایت بعد ازاں برصغیر تک پہنچی اور فارسی کے ادبی اثرات کے زیرِ سایہ اُردو شاعری میں قطعہ نگاری کی بنیاد پڑی۔ دکنی عہد میں سید محمد حسین گیسو دراز اور قلی قطب شاہ کے کلام میں اس صنف کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں، جب کہ بعد کے ادوار میں میر تقی میر، سودا، مصحفی اور نظیر اکبر آبادی نے اسے مزید فروغ دیا۔ علی محمد خان صنف قطعہ نگاری کی جدید روایت میں کچھ اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

> "متقدمین کے بعد متوسطین اور متاخرین کے بعد جدید شعرا کو بھی یہ صنف مرغوب رہی ہے۔ اس صنف کے حوالے سے مولانا حالی، شبلی نعمانی، مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال کے نام بڑے اہم ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے اس صنف کو بطور خاص طنز و مزاح کے لیے خوب استعمال کیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی یہ صنف بالخصوص مزاح نگاروں کی پسندیدہ صنف ہے۔"(۲)

جدید اُردو شاعری میں بھی قطعہ نگاری ایک زندہ روایت کے طور پر برقرار رہی اور فیض احمد فیض، احمد فراز اور جون ایلیا جیسے شعرا نے اپنے قطعات کے ذریعے اس صنف کو عصری شعور اور نئے فکری امکانات سے ہم آہنگ کیا۔ اس طرح قطعہ نگاری فارسی سے اُردو تک ایک مسلسل ادبی سفر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں فنی تنوع اور فکری گہرائی دونوں نمایاں ہیں۔

> "اس عہد کے شعرا نے اُردو شاعری کو کئی حیثیتوں سے مالا مال کیا ہے موضوع اور مواد کے اعتبار سے بڑی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ چنانچہ اس عہد کے تقریباً سبھی شعرا نے قطعہ نگاری کو بھی باقاعدہ طور پر اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ "(۳)

غزل اور نظم کے مابین رشتہ ہمیشہ سے اُردو شاعری میں ایک دلکش بحث کا موضوع رہا ہے۔ غزل کا ہر شعر اپنی داخلی تکمیل، معنوی خود مختاری اور جمالیاتی وحدت کے باعث ایک الگ کائنات معلوم ہوتا ہے؛ وہ اپنے اندر ایک مکمل تجربہ، ایک جذبہ اور ایک خیال سمیٹے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس نظم ایک مسلسل بہاؤ، ربط و تسلسل اور فکری ارتقا کا تقاضا کرتی ہے، جہاں ہر جز اپنی جگہ اہم ہونے

کے باوجود ایک بڑے کلی نظام کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسی تناظر میں جب قطعہ کی صنف کو دیکھا جائے تو وہ غزل اور نظم کے درمیان ایک لطیف پُل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ قطعہ بظاہر اپنی ساخت میں خود کفیل اور مکمل ہوتا ہے، اس کے اشعار مل کر ایک واضح مفہوم پیش کرتے ہیں، مگر جب متعدد قطعات ایک خاص فکری یا جذباتی رشتے میں پروئے جائیں تو وہ اجتماعی طور پر نظم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یوں انفرادی خود مختاری اور اجتماعی ہم آہنگی کا ایک حسین امتزاج سامنے آتا ہے۔ جیسے غزل کا ہر شعر اپنی جگہ قائم و دائم ہوتا ہے، ویسے ہی ہر قطعہ بھی اپنی انفرادی حیثیت رکھتا ہے، لیکن جب یہ قطعات باہم مربوط ہو جائیں تو ایک بڑی فکری اور فنی اکائی یعنی نظم میں ڈھل جاتے ہیں۔ اس تصور میں اُردو شاعری کی وسعت، اس کی صنفی لچک اور تخلیقی امکانات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے:

"جس طرح غزل کا ہر شعر ایک مکمل اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اسی
طرح ہر قطعہ اپنی جگہ قائم و ثابت ہے۔ مگر تمام قطعات مل کر ایک نظم کی
صورت اختیار کر لیتے ہیں " (۴)

ڈاکٹر ارشاد احمد شاکرؔ اعوان معاصر اُردو شاعری کے اُن نمائندہ شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے کم عمری ہی سے شعر و ادب کی طرف گہری دل چسپی ظاہر کی اور رفتہ رفتہ اپنے تخلیقی ذوق کو ایک باقاعدہ فکری سمت عطا کی۔ گھر کے ماحول میں ادبی ذوق اور مطالعے کی روایت موجود ہونے کے باعث ان کی فکری اور تخلیقی تربیت ایک فطری اور تدریجی انداز میں پروان چڑھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں شاعری کسی وقتی جذبے یا محض اظہارِ احساس کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک سنجیدہ فکری عمل کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ بچپن ہی میں شعر کہنے کا آغاز کرنے والے شاکرؔ اعوان نے وقت کے ساتھ اپنی شعری بصیرت کو وسیع کیا اور اُردو شاعری کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہوئے ایک ہمہ جہت شاعر کے طور پر اپنی شناخت قائم کی۔ ڈاکٹر شاکرؔ نے غزل اور نظم دونوں میدانوں میں قابلِ توجہ کام کیا ہے۔

ان کی شاعری میں جہاں کلاسیکی روایت کی بازگشت سنائی دیتی ہے وہاں عصری شعور کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ حمد، نعت اور منقبت جیسی مذہبی اصناف کے ساتھ ساتھ انھوں نے دیگر شعری ہیئتوں میں بھی اظہار کیا اور ہر صنف میں اپنی انفرادی فکری شناخت کو برقرار رکھا۔ ان کے کلام میں عقیدت اور فکر کا ایک متوازن امتزاج ملتا ہے جو ان کی مذہبی حسّیت اور اخلاقی شعور کی نشاندہی کرتا ہے۔ خاص طور پر موضوعاتی نظم کے باب میں ڈاکٹر شاکرؔ اعوان کی تخلیقی کاوشیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں میں زندگی کے مختلف پہلو پوری معنوی وسعت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ فرد کی داخلی کیفیات، معاشرتی رویّے، اخلاقی اقدار، مذہبی شعور اور عہدِ حاضر کے مسائل یہ سب عناصر ان کی نظموں میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ برتے گئے ہیں۔ شاکرؔ اعوان زندگی کو محض ایک تصوراتی یا رومانوی تجربے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اسے ایک زندہ اور متحرک حقیقت کے طور پر محسوس کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کی شاعری میں تجربے کی صداقت اور مشاہدے کی پختگی نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات کو گہری بصیرت سے دیکھتے ہیں اور پھر ان مشاہدات کو نظم کی فکری ساخت میں اس طرح ڈھالتے ہیں کہ قاری کے سامنے زندگی کا ایک واضح اور بامعنی نقش ابھر آتا ہے۔ یہی وصف ان کی موضوعاتی نظموں کو فکری گہرائی اور معنوی وسعت عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی شاعری کا ایک نمایاں پہلو ان کا سنجیدہ اور فکری طور پر باخبر شعری مزاج ہے۔ ان کے ہاں شاعری محض جمالیاتی اظہار تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس میں اخلاقی شعور، مذہبی احساس اور سماجی ذمہ داری کا ایک گہرا احساس شامل ہو جاتا ہے۔ ان کا طرزِ اظہار متوازن اور باوقار ہے جس میں جذباتی شدت یا خطیبانہ انداز کم اور فکری ضبط زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ

زندگی اور معاشرے کے مسائل پر اظہار کرتے ہوئے جذبات کی شدت سے زیادہ فکری استدلال اور اخلاقی شعور کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سنجیدگی اور وقار کا ایک خاص رنگ نمایاں رہتا ہے۔

قطعہ نگاری کا دامن نہایت وسیع ہے اور اس میں موضوعات کی کوئی سخت قید نہیں ہوتی۔ شاعر اپنی فکر، مشاہدے اور معاشرتی تجربات کو مدح وستائش، شکر وسپاس، طنز، شکایت، حکایت یا دیگر انسانی وسماجی موضوعات کی صورت میں بیان کر سکتا ہے۔ یہی وسعت اور اختصار مل کر قطعہ کو اُردو شاعری کی ایک مؤثر اور بامعنی صنف بناتے ہیں۔ ارشاد شاکر اعوان کی شاعری کا ایک قابلِ توجہ میدان صنفِ قطعہ ہے جسے انہوں نے محض ضمنی اظہار کے طور پر نہیں برتا بلکہ شعوری طور پر اپنے فکری اظہار کا ایک اہم وسیلہ بنایا۔ اُردو شاعری میں قطعہ عموماً کسی موقعاتی خیال یا مختصر تاثر کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے، لیکن ڈاکٹر شاکر اعوان نے اس مختصر صنف کو ایک بامعنی اور فکری قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں قطعہ چار مصرعوں کی محدود ساخت کے باوجود ایک مکمل فکری اکائی کے طور پر سامنے آتا ہے۔

شاکر اعوان کے قطعات میں اختصار کے اندر معنوی تکمیل پیدا کرنے کی خاص کوشش ملتی ہے۔ وہ چند مصرعوں میں ایک واضح خیال، اخلاقی نکتہ یا وجودی سوال کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ قاری کو نہ صرف فکر کی ایک نئی جہت ملتی ہے بلکہ ایک فکری مکالمے کی فضا بھی قائم ہو جاتی ہے۔ ان کے قطعات میں زندگی، اخلاقیات، مذہبی شعور، انسانی رویّوں اور معاشرتی تضادات جیسے موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں۔ یہ موضوعات محض بیانیہ انداز میں پیش نہیں کیے جاتے بلکہ ایک گہری فکری بصیرت کے ساتھ نظم کیے جاتے ہیں۔

ان قطعات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ شاعر اپنے آپ کو محض ایک تماشائی یا ناظر کے طور پر پیش نہیں کرتا بلکہ ایک ایسے فرد کے طور پر سامنے آتا ہے جو اپنے عہد اور سماج کے سامنے اخلاقی گواہی دینے کا احساس رکھتا ہے۔ یہی احساس ان کی شاعری کو وقتی تاثرات سے بلند کر کے ایک سنجیدہ فکری جہت عطا کرتا ہے۔ ان کے قطعات میں خود احتسابی، اعتدال اور فکری دیانت کا جو رنگ ملتا ہے وہ انہیں معاصر اُردو شاعری میں ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی شاعری خصوصاً ان کے قطعات اُردو شعری روایت میں ایک قابلِ توجہ تجربہ ہیں۔ انہوں نے مختصر شعری ہیئت کو فکری اظہار کا ایسا وسیلہ بنایا ہے جس میں اختصار اور معنویت دونوں ساتھ ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کا شعری سرمایہ اُردو ادب کے سنجیدہ مطالعے میں ایک اہم حوالہ بن سکتا ہے اور صنفِ قطعہ کی فکری وسعت کو سمجھنے میں بھی مدد فراہم کرتا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی شاعری میں اخلاقی اور وجودی شعور ایک بنیادی فکری محرک کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کے قطعات میں زندگی کو محض جذباتی واردات یا وقتی احساس کے طور پر پیش نہیں کیا گیا بلکہ اسے ایک ایسے مسلسل اخلاقی امتحان کی صورت میں دیکھا گیا ہے جس سے گزرنا ہر انسان کی تقدیر ہے۔ انسان اپنی زندگی میں مختلف داخلی اور خارجی دباؤ کا سامنا کرتا ہے—وقت کی بے رحمی، سماجی توقعات اور نفس کی کشمکش، یہ سب قوتیں فرد کو مسلسل آزمائش میں رکھتی ہیں۔ اعوان کے قطعات میں یہی کیفیت ایک فکری تناؤ کی صورت اختیار کرتی ہے جہاں فرد کو اپنی سمت خود متعین کرنا پڑتی ہے۔ اس انتخاب کی ذمہ داری اور اس کے نتائج کا شعور ان کی شاعری میں ایک سنجیدہ فکری فضا پیدا کرتا ہے۔ ارشاد شاکر اعوان کے ہاں دکھ، جدائی، ناکامی اور محرومی جیسے تجربات کو محض منفی یا شکست خوردہ کیفیت کے طور پر نہیں دیکھا جاتا۔ وہ انہیں انسانی شعور کی پختگی اور باطنی آگہی کا وسیلہ بناتے ہیں۔ ان کے قطعات میں دکھ ایک ایسی داخلی قوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو انسان کو اپنے باطن کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اسے اپنی کمزوریوں اور

حدود کا احساس دلاتی ہے۔ اس طرح دکھ محض ایک نفسیاتی کیفیت نہیں رہتا بلکہ ایک فکری اور اخلاقی تجربے میں بدل جاتا ہے جو فرد کی شخصیت کو تشکیل دیتا ہے۔

یہ رجحان اُردو شاعری کی اس وسیع روایت سے بھی مربوط نظر آتا ہے جس میں دکھ کو معرفت اور آگہی کا ذریعہ سمجھا گیا ہے۔ کلاسیکی اُردو شاعری میں بھی رنج و الم کو انسانی شعور کی بیداری سے جوڑا گیا ہے، مگر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان اس روایت کو ایک قدرے مختلف زاویے سے برتتے ہیں۔ ان کے ہاں دکھ کا تجربہ زیادہ داخلی اور انفرادی نوعیت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اسے محض تقدیر یا خارجی حالات کا نتیجہ قرار دینے کے بجائے خود احتسابی اور باطنی مکالمے کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ یوں ان کے قطعات میں انسان اپنے دکھ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسی تجربے کے ذریعے اپنے وجود کو سمجھنے کی سعی کرتا ہے۔

اسی پس منظر میں اعوان کے قطعات وجودی سوالات کو ایک واضح اخلاقی فریم کے اندر پیش کرتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی کے بنیادی سوالات انسان کی ذمہ داری، اس کے اعمال کے نتائج، اور اس کے اخلاقی انتخاب—کو مختصر مگر بامعنی شعری ساخت میں سمو دیتے ہیں۔ ان کے قطعات میں یہ احساس بار بار ابھرتا ہے کہ زندگی کی اصل معنویت اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان اپنی داخلی کشمکش کا سامنا کرے اور اپنے وجود کو ایک اخلاقی شعور کے ساتھ منسلک کرے۔ اس طرح ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات نہ صرف وجودی تجربے کی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ اسے ایک اخلاقی تناظر بھی عطا کرتے ہیں۔ یہی خصوصیت ان کی شاعری کو محض جذباتی اظہار سے بلند کر کے ایک سنجیدہ فکری مکالمہ بنا دیتی ہے جہاں فرد، سماج اور اخلاقیات کے درمیان تعلق کو نئے انداز میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات کے ابتدائی حصے میں شامل حمد، نعت اور منقبت ان کی مذہبی اور تہذیبی وابستگی کا واضح اظہار ہیں۔ یہ وابستگی محض روایتی عقیدت تک محدود نہیں رہتی بلکہ ایک بامعنی فکری پس منظر کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ اعوان مذہبی موضوعات کو صرف جذبۂ عقیدت کے اظہار کے طور پر نہیں برتتے بلکہ انہیں اخلاقی تربیت اور باطنی تطہیر کے وسیلے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہاں مذہبی شاعری محض مدحیہ روایت کا تسلسل نہیں بلکہ ایک فکری اور اخلاقی شعور کی نمائندگی بن جاتی ہے۔ ان کے قطعات میں حمدیہ اور نعتیہ مضامین ایک ایسے فکری زاویے سے سامنے آتے ہیں جہاں عقیدت انسانی کردار کی تشکیل اور اخلاقی نظم کے استحکام سے جڑ جاتی ہے۔ خدا اور رسولؐ سے وابستگی صرف ایک روحانی نسبت نہیں رہتی بلکہ زندگی کے عملی رویّوں کے لیے ایک رہنما اصول کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعوان کے ہاں مذہبی اظہار میں سنجیدگی، وقار اور فکری توازن نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ منقبت کے قطعات میں بھی یہی رویہ برقرار رہتا ہے۔ یہاں اہلِ بیتؑ اور بزرگانِ دین سے عقیدت محض تاریخی یا جذباتی حوالہ نہیں بنتی بلکہ ایک اخلاقی نمونہ اور روحانی معیار کے طور پر سامنے آتی ہے۔ شاعر ان شخصیات کے کردار اور اوصاف کو انسانی زندگی کے لیے قابلِ تقلید مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یوں عقیدت کا جذبہ اخلاقی تعمیر کے ایک فعال وسیلے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی مذہبی شاعری رسمی یا غیر تنقیدی انداز اختیار نہیں کرتی۔ وہ عقیدت کو ایک بیدار شعور کے ساتھ برتتے ہیں جہاں مذہب انسان کے باطن کو سنوارتا ہے اور اسے ذمہ دار اخلاقی وجود میں ڈھالنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لیے ان کے قطعات میں مذہبی احساس صرف روحانی سرشاری تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی کردار، سماجی رویّوں اور اخلاقی نظم کے قیام سے گہرا تعلق قائم کر لیتا ہے۔ یہی پہلو ان کی مذہبی شاعری کو فکری وقار اور معنوی وسعت عطا کرتا ہے۔

تسخیر دل کو قوت ولشکر نہ چاہیے
یہ فتح ، بے شکست کسی کو نہیں ملی
کو بندگی اُسی کی جو مالک جہاں کا ہے
جھکنے کو اُس کے سامنے ہے یہ جبیں ملی

حرفِ وَالعَصرِ ، ھو اللہ احد ، کی توثیق
القلم ، شرح بیاں ، سورہ یاسین کے ساتھ
صاحب طور جسے دیکھ کے بے ہوش ہوئے
تو نے دیکھا اُسے مازاغ کی تحسین کے ساتھ (۵)

اُردو تنقید میں جدید شاعری کے تناظر میں مذہبی عناصر کے استعمال پر اکثر یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ آیا مذہبی موضوعات جدید شعری شعور کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ بعض ناقدین کے نزدیک جدیدیت کا تقاضا یہ ہے کہ شاعری روایت سے ایک حد تک فاصلہ اختیار کرے، جب کہ ایک دوسرا نقطۂ نظر یہ بھی رہا ہے کہ مذہبی روایت انسانی تہذیبی شعور کا بنیادی حصہ ہے اور اسے نظر انداز کر کے جدید تجربے کی مکمل تفہیم ممکن نہیں۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات اس بحث کے اندر ایک متوازن اور سنجیدہ رویے کی مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

ارشاد شاکر اعوان کے ہاں مذہبی عناصر محض روایت کی تکرار یا رسمی وابستگی کے طور پر ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ایک فکری مکالمے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ روایت کو جامد اور ناقابلِ سوال اتھارٹی کے طور پر قبول کرنے کے بجائے اس سے ایک بامعنی تعلق قائم کرتے ہیں۔ اس تعلق کی نوعیت تقلیدی نہیں بلکہ مکالماتی ہے، جس میں شاعر روایت کی معنوی جہتوں کو نئے عہد کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قطعات میں مذہبی حوالہ جات صرف عقیدت کے اظہار تک محدود نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کے اخلاقی اور سماجی مسائل کو سمجھنے کا ایک فکری وسیلہ بن جاتے ہیں۔ ان کے ہاں روایت ایک زندہ تجربے کے طور پر سامنے آتی ہے جو حال کے سوالات سے کٹ کر نہیں بلکہ انہی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اعوان ماضی کی اخلاقی اقدار کو موجودہ معاشرتی حالات کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور اس عمل کے ذریعے انسانی زندگی کے پیچیدہ سوالات پر غور کرتے ہیں۔ اس طرح روایت ایک فعال فکری سرچشمہ بن جاتی ہے جو شاعر کو اپنے عہد کے مسائل پر سنجیدگی سے سوچنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

اسی تناظر میں اعوان کے قطعات جدید شعری حسّیت اور مذہبی روایت کے درمیان ایک متوازن ربط قائم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں نہ تو روایت سے انقطاع کی وہ شدت موجود ہے جو بعض جدید رجحانات میں نظر آتی ہے، اور نہ ہی روایت کی غیر تنقیدی پیروی کا رویہ۔ بلکہ یہاں ایک ایسا فکری توازن پیدا ہوتا ہے جس میں شاعر روایت سے استفادہ کرتے ہوئے حال کے اخلاقی اور سماجی مسائل کو سمجھنے اور ان پر اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی خصوصیت ان کے قطعات کو معاصر اُردو شاعری میں ایک بامعنی اور قابلِ توجہ تجربہ بنا دیتی ہے۔

غرض کوئی نہ کوئی مدعا ہے
نہیں کچھ اور تو تیری رضا ہے

جسے　میں　سجدہ　اخلاص　لکھوں
بتا　تو　ہی　وہ　سجدہ　کون　سا　ہے　(۶)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات میں سماج ایک ایسے فعال دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو فرد کی داخلی دنیا پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ ان کے ہاں معاشرتی حالات محض بیرونی منظر نامہ نہیں بلکہ انسانی شعور کی تشکیل میں شریک ایک مؤثر قوت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے ان کے قطعات میں فرد اور سماج کے درمیان تعلق ایک پیچیدہ فکری اور نفسیاتی ربط کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ شاعر انسانی تجربے کو اس تناظر میں دیکھتا ہے جہاں فرد اپنی ذات کے مسائل سے الگ ہو کر نہیں بلکہ اجتماعی حالات کے دباؤ میں اپنی شناخت اور سمت تلاش کرتا ہے۔ ان کے قطعات میں ہجرت کا تجربہ صرف جغرافیائی نقل مکانی کا بیان نہیں بلکہ ایک گہری وجودی کیفیت کے طور پر ابھرتا ہے۔ یہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہونے والے عدمِ تحفظ، اجنبیت اور بے سمتی کے احساس سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی طرح زمانے کی بے حسی اور اجتماعی خاموشی جیسے موضوعات بھی ان کی شاعری میں بار بار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ عناصر ایک ایسے سماجی ماحول کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں اخلاقی اقدار کمزور پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور فرد خود کو ایک طرح کی معنوی تنہائی میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ان کے ہاں اخلاقی زوال اور سماجی ناانصافی کا بیان بھی ایک خاص فکری وقار کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ وہ ان مسائل پر اظہار کرتے ہوئے خطیبانہ انداز یا براہِ راست نعرہ بازی سے گریز کرتے ہیں۔ اس کے بجائے ان کی شاعری میں ایک خاموش مگر گہری تنقیدی بصیرت کارفرما نظر آتی ہے۔ وہ سماجی تضادات اور ناانصافیوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری خود ان کے مضمرات پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس اسلوب میں شور اور شدت کے بجائے فکری توازن اور معنوی تہہ داری نمایاں رہتی ہے۔ اسی رویے کے باعث ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات سماجی شعور اور اخلاقی حساسیت کا ایک بامعنی امتزاج پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کے مسائل کو نہ تو جذباتی احتجاج میں بدلتے ہیں اور نہ ہی انہیں نظر انداز کرتے ہیں، بلکہ ایک سنجیدہ فکری تناظر میں ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہی اعتدال اور فکری ضبط ان کی شاعری کو ایک خاص وقار عطا کرتا ہے اور اسے معاصر اُردو شاعری کے سنجیدہ مباحث میں اہم مقام دیتا ہے۔

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے قطعات میں دعا اور عبدیت کا احساس ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے ہاں دعا محض رسمی عبادت نہیں بلکہ ایک گہری روحانی کیفیت کا اظہار ہے۔ شاعر اپنے باطن کی بے بسی اور انسانی کمزوری کو تسلیم کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں رجوع کرتا ہے۔ اس رجوع میں عاجزی، امید اور روحانی وابستگی کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اعوان کی دعا انفرادی سطح تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس میں اجتماعی خیر اور امت کی فلاح کا جذبہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قطعات میں بندگی کا احساس انسان کو اخلاقی اصلاح اور روحانی بلندی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

نہایت　سوزِ　دل　سے،　گریہ　زاری　آہ　سے　مانگی
دعا　جو　مانگی　تھی،　ہم　نے　نہایت　چاہ　سے　مانگی
محمدؐ　اللہ　دیوارِ　حرم　سے　لگ　کے　دونوں　نے
رسول　اللہ　کی　مانگی　دعا،　اللہ　مانگی(۷)

صداقت کو مرا دستور کر دے
ہدایت راستے کا نور کر دے
الٰہی میں تیرا ادنیٰ سا بندہ
دعاؤں کو مری منظور کر دے (۸)

رحمتیں یا رب ترے بندوں پہ بے حد و شمار
جیسے صحراؤں کے ذرّے یا ستاروں کی قطار
نعمتوں کو کون گن پائے، عدد اتنے کہاں
تو سراپا خیر ہے، کہ فضل ہم پر بار بار (۹)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی شاعری کا ایک اہم پہلو زندگی کے فلسفے اور انسانی تجربے پر غور و فکر ہے۔ ان کے قطعات میں زندگی کو خوشی اور غم کے متضاد تجربات کے مجموعے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ انسانی زندگی کے عارضی پن، داخلی کشمکش اور وجودی سوالات کو نہایت سادہ مگر گہرے انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں غم اور خوشی محض جذباتی کیفیات نہیں بلکہ شعور کی تشکیل کے مراحل ہیں۔ اسی طرح فنا اور موت کا احساس بھی انسان کو زندگی کی حقیقت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

وصال و ہجر کی الجھن میں کٹ گئی شاکر
غم و الم کا خوشی کا شمار کیا کرتے
خوشی سے غم ہے نہ غم سے خوشی ہے جیت سکی
حساب غم کا خوشی کا شمار کیا کرتے (۱۰)

راستے کٹ گئے ہیں خوشبو سے
وقت رنگین ہر ایک پہلو سے
یہ نہیں بھولنا مگر شاکرؔ
موت ملتی نہیں کسی رُو سے (۱۱)

شاکر اعوان کی قطعات کا مطالعہ قاری کو ایک ایسے فکری اور روحانی سفر پر لے جاتا ہے جہاں زندگی کے پیچیدہ گوشے نہایت لطیف انداز میں منکشف ہوتے ہیں۔ مصنف نے محض فلسفۂ حیات کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے دعا، مناجات اور ایک دردمند دل کی صداؤں سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ تحریر میں ایک خاص تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ جگہ جگہ ربِ ذوالجلال کے حضور جھکی ہوئی پیشانی اور اٹھے ہوئے ہاتھ نظر آتے ہیں۔ یہ دعائیں صرف ذات تک محدود نہیں بلکہ پوری قومِ مسلمہ کے لیے ایک اجتماعی آرزو اور فکری تڑپ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ حسرت موہانی کے نذرانۂ عقیدت سے ہوتا ہے، جو نہ صرف ادبی روایت سے جڑاؤ کا مظہر ہے بلکہ مصنف کے ذوقِ سخن کی بلندی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس ابتدائی قطعے میں شعری عظمت، فکری رفعت اور جمالیاتی نزاکت کو جس خوبی سے سراہا گیا ہے، وہ قاری کو فوراً ایک سنجیدہ اور باوقار فضا میں لے آتا ہے:

اونچا ہے تیرے شعر کا ایوان فکر وفن
اعلیٰ تری طبیعت زمیں کا بانکپن
تیرا مذاق بنی اوصاف شاعراں
حسرت جمیع جملہ محاسن ترا سخن (۱۲)

کربلا کے استعارے کو بھی شاکر اعوان نے بڑی مہارت سے برتا ہے۔ "ہوائیں کربلا کی داستاں دہراتی پھرتی۔۔۔۔" میں تاریخ، احساس اور ندامت ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جاتے ہیں کہ قاری کے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ یہ اشعار نہ صرف واقعۂ واقعہ کربلا کی یاد تازہ کرتے ہیں بلکہ موجودہ عہد کی اخلاقی گراوٹ پر ایک خاموش نوحہ بھی ہیں:

ہوائیں کربلا کی داستاں دہراتی پھرتی ہیں
تو لہریں کرب سے اب علاقہ بل کھاتی پھرتی ہیں
ندامت نے تجھے آخر ہے پانی پانی کر ڈالا
تری موجیں آئے ساحل سے سر ٹکراتی پھرتی ہیں(۹۲)

اسی طرح علامہ محمد اقبال کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے مصنف نے ان کے فکر و فلسفہ کی ہمہ گیری اور اثر آفرینی کو نہایت خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے۔ "قریہ جاں کا حکمراں اقبال..." اور "منفرد بے شک بیاں اقبال کا..." جیسے اشعار میں اقبال کی فکری عظمت اور انفرادیت کو سادہ مگر پُراثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اشعار نہ صرف عقیدت کا اظہار ہیں بلکہ ایک فکری تسلسل کی علامت بھی ہیں جو ماضی سے حال تک پھیلا ہوا ہے:

کلیوں کو چٹک بخشی، پھولوں کو ہے مہکایا
چڑیوں کا چہکنے کا گر تو نے ہے سکھایا
سیراب نظر، تیرے گلزار کے گل بوٹے
تجھ سے ہی تر و تازہ تو سب کے ہے کام آیا (۱۴)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی قطعہ نگاری کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ مختصر شعری پیکر میں زندگی کے پیچیدہ اور ہمہ گیر تجربات کو نہایت سادگی مگر گہرائی کے ساتھ سمو دیتے ہیں۔ ان کے قطعات میں فطرت کے عناصر محض منظر نگاری تک محدود نہیں رہتے بلکہ ایک بھرپور فکری اور علامتی نظام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ درخت، پھل اور باغ جیسے استعارے ان کے ہاں انسانی کردار، معاشرتی رویّوں اور اخلاقی حقیقتوں کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے قطعات میں خاص طور پر یہ رجحان نمایاں ہے کہ وہ عام مشاہدات کو ایک وسیع تر انسانی اور سماجی تناظر میں پیش کرتے ہیں۔ وہ زندگی کے تلخ تجربات جیسے ناقدری، مخالفت اور آزمائش—کو محض شکایت کے انداز میں بیان نہیں کرتے بلکہ انہیں ایک فکری بصیرت میں ڈھال دیتے ہیں۔ ان کے ہاں دکھ اور صدمہ کسی فرد کی انفرادی کہانی نہیں رہتا بلکہ ایک اجتماعی انسانی تجربے کی صورت اختیار کر لیتا ہے، جس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو کسی نہ کسی درجے میں معاشرتی رویّوں کا سامنا کرتا ہے۔ اسی فکری پس منظر میں ان کے بعض قطعات فطرت کے سادہ استعاروں کے ذریعے ایک گہری سماجی حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ معاشرے میں وہی افراد زیادہ نشانہ بنتے ہیں جو اپنی صلاحیت، افادیت اور فیض رسانی کے باعث نمایاں ہوتے ہیں۔ اس اندازِ اظہار میں علامت نگاری اور تمثیل کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، جو قاری کو نہ صرف ایک فکری نکتہ فراہم کرتا ہے

بلکہ اسے اپنے تجربات پر نئے زاویے سے غور کرنے کی دعوت بھی دیتا ہے۔ ذیل میں پیش کیے گئے اشعار اسی فکری اور علامتی جہت کے حامل ہیں، جہاں شاعر نے ایک سادہ مگر بلیغ استعارے کے ذریعے انسانی رویّوں اور معاشرتی حقیقتوں کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا ہے:

پر پھل دار شجر کو تو پتھر مارے جاتے ہیں
یا پھر ٹہنا کھینچ کے نیچے، پھل اتارے جاتے ہیں
شکوہ پھر کس بات کا بھائی ہم ہی نہیں جگ میں تنہا
پیڑ اس باغ کے ایسے صدمے جھیلتے سارے جاتے ہیں (۱۵)

اُردو ادب میں طنز و مزاح کی روایت قدیم ہے، جسے مختلف ادوار میں شعرا نے اپنے اپنے انداز میں برتا۔ اکبر الہ آبادی، پطرس بخاری اور ابن انشا جیسے ادیبوں نے انسانی کمزوریوں، معاشرتی رویّوں اور روزمرہ کی ناہمواریوں کو خوش اسلوبی سے پیش کیا۔ اسی روایت کی جھلک ارشاد شاکر اعوان کے قطعات میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، جہاں ایک عام سی شرارت ایک غیر معمولی انجام تک پہنچتی ہے۔

بس میں اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے اک شخص کو
دیکھتے ہی ان کے گنجے سر پہ اک ٹھونکا دیا
پہلے پلٹے اور گھورا ، پھر کیا تھپڑ رسید
اور پھر بولا، بھتیجے، بے سبب چونکا دیا (۱۶)

ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کی قطعہ نگاری اُردو ادب میں ایک اہم اور قابلِ قدر اضافہ ہے، جس نے اس مختصر صنف کو نئی فکری، اخلاقی اور معنوی جہتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ ان کے قطعات محض چند مصرعوں کا مجموعہ نہیں بلکہ مکمل فکری اکائیاں ہیں، جن میں زندگی، مذہب، اخلاقیات، سماج اور وجودی تجربات کو نہایت گہرائی اور اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے قطعہ نگاری کو روایتی حدود سے نکال کر ایک بامقصد اور سنجیدہ فکری اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کے ہاں مذہبی عناصر رسمی عقیدت سے آگے بڑھ کر اخلاقی تربیت، باطنی تطہیر اور عملی زندگی کی رہنمائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری میں سماجی شعور، انسانی کمزوریوں اور معاشرتی ناہمواریوں کا بیان نہایت متوازن اور فکری انداز میں سامنے آتا ہے۔ ان کے قطعات میں دکھ، محرومی اور داخلی کشمکش کو انسانی شعور کی پختگی اور خود آگہی کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے، جو ان کی شاعری کو محض جذباتی اظہار کے بجائے ایک سنجیدہ فکری مکالمہ بنا دیتا ہے۔ ان کا اسلوب ضبط، توازن اور معنوی گہرائی کا حامل ہے، جو قاری کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ ان کی قطعہ نگاری نہ صرف اُردو شعری روایت کا تسلسل ہے بلکہ اس میں ایک جدید اور بامعنی اضافہ بھی ہے۔ ان کا کلام موجودہ عہد کے فکری اور سماجی مسائل کو سمجھنے اور ان پر سنجیدہ غور و فکر کرنے کا مؤثر وسیلہ فراہم کرتا ہے، اور اسی بنا پر وہ معاصر اُردو شاعری میں ایک منفرد اور معتبر مقام کے حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ محمد زکریا، اُردو میں قطع نگاری، منیب بک ڈپو راحت مارکیٹ اُردو بازار لاہور، جنوری ۱۹۷۷، ص: ۲۲
۲۔ علی محمد خان،، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک، اصناف نظم و نثر، الفیصل، غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، ۲۰۱۴ء، ص: ۱۳۴
۳۔ ڈاکٹر عابدہ آفریدی، اُردو قطعات نگاری: آغاز وارتقاء، ص: ۱۰۲

۴۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر، مشمولہ: ارم جھم (احمد ندیم قاسمی)، مشورہ بک ڈپو دہلی، ۱۹۵۲، ص:۱۲

۵۔ ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان، قطعات، قرطاس پبلشر فیصل آباد، ص:۱۷

۶۔ ایضاً، ص:۲۱

۷۔ ایضاً، ص:۵۵

۸۔ ایضاً، ص:۵۶

۹۔ ایضاً، ص:۸۷

۱۰۔ ایضاً، ص:۶۶

۱۱۔ ایضاً، ص:۶۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۹

۱۳۔ ایضاً، ص:۹۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۹۳

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۰۷

۱۶۔ ایضاً، ص:۹۵

References in Roman Script:

1. Khawaja Muhammad Zakariya, Urdu Mein Qata Nigari, Muneeb Book Depot, Rahat Market, Urdu Bazar, Lahore, January 1977, p. 22.
2. Ali Muhammad Khan, Dr. Ashfaq Ahmad Warak, Asnaf-e-Nazm-o-Nasr, Al-Faisal, Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, 2014, p. 134.
3. Dr. Abida Afridi, Urdu Qataat Nigari: Aghaz-o-Irtiqa, p. 102.
4. Dr. Muhammad Din Taseer, Mashmoola: Aram Jham (Ahmad Nadeem Qasmi), Mashwara Book Depot, Delhi, 1952, p. 12.
5. Dr. Irshad Shakir Awan, Qataat, Qirtas Publisher, Faisalabad, p. 17.
6. Ibid., p. 21.
7. Ibid., p. 55.
8. Ibid., p. 56.
9. Ibid., p. 87.
10. Ibid., p. 66.
11. Ibid., p. 67.
12. Ibid., p. 19.
13. Ibid., p. 92.
14. Ibid., p. 93.
15. Ibid., p. 107.
16. Ibid., p. 95.